مواعظ حکیم الاُمت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ

الامداد

لاہور پاکستان

جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

سلسلہ تبلیغ نمبر: 96

اگست ۲۰۰۲ء

الرِّضَا بِالدُّنیا

(دُنیا سے دِل لگانا)

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

291- کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الرضا بالدینا

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یہ وعظ ۱۵ صفر ۱۳۳۰ھ کو مسجد علی حسن جلال آباد میں دنیاوی مشغولیت اور آخرت سے غفلت کے موضوع پر بیٹھ کر ڈیڑھ گھنٹہ ارشاد فرمایا جسے مولانا سعید احمد صاحب نے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً یکصد ۱۰۰ تھی۔

وعظ

ملقب بہ

الرضا بالدنیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ☆ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ☆ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ☆ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ☆(۱)

ترجمہ: (جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں (آخرت کی طلب اصلاً نہیں رکھتے) اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (آئندہ کی کچھ خبر نہیں) اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا

(۱) سورۃ یونس آیت ۸،۷

ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے)۔

اچھائی بُرائی کی بنیاد

ان آیتوں میں حق سبحانہ نے ایک خاص جماعت کی مذمت (۱) ایک خاص صفت پر فرمائی ہے۔جس جماعت کی مذمت اس میں ہے بحمد اللہ حاضرین میں اس جماعت کا ایک فرد بھی نہیں ہے لیکن اس سے اس بیان کو بے ربط (۲) یا بے ضرورت نہ سمجھنا چاہئے بلکہ اس میں غور کرنا چاہئے کہ جس کی مذمت ہوتی ہے ذات کی وجہ سے نہیں ہوتی کیونکہ نفسِ ذات میں تو سب انسان شریک ہیں تو ذات کسی کی مقصود نہیں ہوتی بلکہ مبنی مذمت (۳) کا خاص صفات ہوتی ہیں تو صفات ذمیمہ (۴) جس میں ہوں گی وہ مذموم (۵) ہوگا۔جس میں نہ ہوں گی وہ نہ ہوگا۔چنانچہ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جس کی مذمت فرمائی گئی ہے ساتھ ہی وہ صفات بھی ذکر فرمادی ہیں جن پر مذمت فرمائی گئی ہے اسی طرح خوشنودی اور رضا میں بھی ان کا خاص مبنی صفات ہی ہوتی ہیں کہ چونکہ یہ صفات ان میں پائی جاتی ہیں اس لئے ہم ان سے خوش اور راضی ہیں۔تو معلوم ہوا کہ مدح اور مذمت وغیرہ کا مدار (۶) حمیدہ یا ذمیمہ صفات ہیں جس میں جیسی صفات ہوں گی ویسے ہی آثار اس پر مرتب ہوں گے اس کے بعد یہ اشکال رفع ہو جائے گا کہ جس جماعت کے باب میں یہ آیتیں ہیں جب حاضرین میں ان میں سے ایک فرد بھی نہیں تو ان آیتوں کو کیوں اختیار کیا گیا اور ترجمے سے معلوم ہو جائیگا کہ

---

(۱) برائی (۲) بے تعلق (۳) برائی کی وجہ (۴) بری عادتیں (۵) برا ہوگا (۶) تعریف اور برائی کی بنیاد اچھی اور بری صفات ہیں۔

کس جماعت کی مذمت ہے مگر میں پہلے ہی بتائے دیتا ہوں کہ وہ جماعت کفار کی ہے اور اسی وجہ سے وہ شبہ بھی ہوتا تھا کہ یہاں اس کی تلاوت کی کیا ضرورت ہوئی اور اسی شبہ کی بناء پر بعض لوگ یہ سن کر کہ فلاں آیت کفار کے حق میں ہے بے فکر بھی ہو جاتے ہیں کہ خیر ہم تو اس کا مورد (۱) نہیں ہیں مگر غور کرنے کی بات ہے کہ وہ آیت جو کفار کی شان میں ہے وہ مسلمانوں کے لئے بجائے بے فکر کرنے کے بہت بڑا تازیانہ (۲) ہے مگر مسلمان اس کو سُن کر بے فکر ہو جاتے ہیں کہ یہ تو کفار کی شان میں ہے۔

اللہ کے راضی اور ناراض ہونے کی وجوہ

صاحبو! یہ صحیح ہے کہ یہ کفار کی مذمت ہے اور قرآن شریف میں اکثر مواقع پر کفار ہی کی مذمت کی گئی ہے مسلمانوں کی مذمت قرآن شریف میں بہت کم ہے مگر یہ تو غور کرنے کی بات ہے کہ کفار کی مذمت ہم مسلمانوں کو کیوں سُنائی گئی ہے مطلب اس سے یہ ہے کہ ان صفات کا مسلمانوں میں ہونا بہت زیادہ عجیب ہے یہ صفات تو صرف کفار میں ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی ذات سے بغض نہیں کسی کی ذات سے محبت نہیں، بلکہ صفات حمیدہ بنائے رضا ہیں اور صفات ذمیمہ بنائے ناراضی و مذمت (۳)۔

مسلمان اپنی اصلاح کی زیادہ فکر کرے

تو اگر یہ وہی صفات ذمیمہ مسلمانوں میں بھی ہوں جو مدعی اطاعت اور

(۱) ہمارے بارے میں تو یہ آیت نازل نہیں ہوئی (۲) بہت بڑا کوڑا ہے (۳) اچھی عادتیں اس کی خوشی کا باعث اور بری عادتیں ناخوشی کا باعث ہیں۔

عبدیت (۱) کے ہیں تو ان کو اور بھی شرمانا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کفار کو جن صفات پر لتاڑا (۲) گیا ہے ہم میں وہی صفات ہیں تو ان کی درستی بہت زیادہ کرنی چاہئے مثلاً ایک باغی کو بادشاہ برا بھلا کہے کہ تو نے بغاوت کی تو نے سرکار کا مقابلہ کیا تو نے یہ کیا تو نے وہ کیا اس خطاب کو سن کر دوسرے اہل جرائم کو ڈرنا چاہئے اور بے خوف نہ ہونا چاہئے اس کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جو الزامات باغی پر لگائے گئے ہیں وہ مجھ میں تو نہیں ہیں کُلاً یا بعضاً (۳) یا مثلاً ایک باوجاہت (۴) آدمی ظلم کرتا ہے اور رعایا کو ستاتا ہے یا ڈکیتی کرتا ہے لیکن باغی نہیں ہے ہاں فوجداری کی بہت دفعات اس پر عائد ہیں اور اتفاق سے بادشاہ نے اسی کے سامنے ایک باغی کو تہدید (۵) کی اور ان صفات پر بھی تہدید کی جو اس کے اندر بھی پائی جاتی ہیں تو اس کے بھی کان (۶) ہونے چاہئیں۔

کافر اور مسلمان میں فرق بےفکری کا سبب نہ ہو

ہاں ایک فرق ضرور ہے کہ اگر جرائم کم ہوں گے تو ناخوشی کم ہوگی اور اگر زائد ہوں گے تو ناخوشی زائد ہوگی۔ سو مسلمان خواہ کیسا ہی بد دین مجرم ہو مگر اس کے جرائم کافر کے برابر نہیں ہوسکتے تو یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمان سے اتنی ناخوشی نہ ہوگی لیکن اس پر تو تسلی نہ ہونی چاہئے کہ ہم سے کم ناخوشی ہے دیکھو اگر کسی مجرم کو دس برس (۷) کی قید ہو اور دوسرے کو پانچ برس کی تو کیا اس دوسرے کو بےفکری ہوگی میرے خیال میں کوئی عاقل ایسا نہیں کہ وہ اس وجہ سے بےفکر ہو جائے کہ میری سزا فلاں شخص سے تو کم ہے

---

(۱) جو فرمانبرداری اور بندگی کے دعویدار ہیں (۲) ڈانٹا گیا ہے (۳) وہ سارے الزامات یا ان میں سے کچھ مجھ میں تو نہیں (۴) صاحب اقتدار و ثروت (۵) ڈرایا دھمکایا (۶) اس کو بھی فکر ہونی چاہئے (۷) سال

بلکہ ایک باریک بات یہ ہے کہ بعض اوقات بڑی دفعہ اور بڑی سزا سنکر اتنی کلفت(۱) نہیں ہوتی جتنی چھوٹی دفعہ اور چھوٹی سزا سنکر ہوتی ہے۔

کیونکہ بڑی سزا میں تو مایوسی ہو جاتی ہے اور مشہور ہے "الیاس احدی الراحتین" (مایوسی ایک طرح کی راحت ہے) ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اس کو ایک جرم میں جج نے سات برس کی قید کا حکم دیا اور اس سے کہا کہ دیکھو تم اپیل نہ کرنا ورنہ تم کو زیادہ سزا ہو جائیگی میں نے تم کو بہت کم سزا دی ہے۔ مگر اس شخص نے اپیل کی اس میں شاید ۲۸ برس کی سزا ہوئی ۔۲۸ برس کا نام سنکر اس کو بالکل یاس(۲) ہوگئی کہ اب زندہ بچ کر نہیں نکل سکتا اور اس یاس سے گونہ راحت ہوگئی(۳)۔ تو اس حیثیت سے تو مسلمان کو چھوٹی سزا سنکر زیادہ فکر میں پڑنا چاہئے کہ اس کو تو یاس بھی نہ ہوگی غرض اس حیثیت سے یہ تفاوت(۴) ہے اگرچہ دوسری حیثیت سے دوسرے تفاوت بھی ہیں مگر میں نے اس کو اس لئے بیان کیا کہ بے فکری نہ رہے کیونکہ اس کو سن کر کہ ایک نہ ایک دن دوزخ سے نکل آئیں گے اکثر لوگ بے فکر ہیں سو یہ بڑی غلطی کی بات ہے تھوڑی سزا کو سنکر بے فکر ہو جائے غرض کفار اور مسلمانوں کی سزا میں تفاوت کا انکار نہیں لیکن وہ تفاوت بے فکر نہیں کر سکتا بلکہ زیادہ فکر ہونا چاہئے یا برابر ہی ہو، یا کم ہی فکر ہو مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ بالکل ہی بے فکر بیٹھے ہیں۔ بعض تو بالکل ہی خیال نہیں کرتے ان کی شکایت ہی کیا مگر غضب تو یہ ہے کہ بعض خبردار بھی بے فکر ہیں کہتے ہیں کہ کفار کے برابر سزا تھوڑی ہی ہوگی۔ میں اس بے فکری کے رفع(۵) کرنے کے لئے یہ ساری تقریر

(۱) پریشانی (۲) مایوسی (۳) اور اس مایوسی سے ایک طرح کا اطمینان اور سکون ہوگیا (۴) فرق (۵) دور کرنے۔

کرر رہا ہوں کہ اس خیال کو کبھی دل میں نہ لائے اور اس اعتراض کا جواب دے رہا ہوں کہ یہ تو کفار کے حق میں ہے پھر ہم کو کیا فکر ۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جن صفات پر کفار کو یہ وعید سنائی گئی ہے اگر آپ میں بھی وہ صفات ہیں تو آپ کو ضرور فکر ہونی چاہئے دوسرے اگر چمار کو چمار (۱) کہہ کر دس جوتیاں مار لی جائیں تو عجب نہیں لیکن اگر کسی بڑے آدمی کو یہ کہہ دیا جائے تو نہایت شرم کی بات ہے تو کافروں کو اگر منکر لقاء اللہ اور راضی بالحیوۃ الدنیا اور غافل عن الآیات (۲) کہہ دیا تو کچھ عجب نہیں لیکن اگر مسلمان میں یہ صفات پائی جائیں اور اس وجہ سے اس کا اتصاف (۳) ان کے ساتھ ہو تو زیادہ شرم کی بات ہے اور لیجئے اگر کسی بھنگی کے ساتھ قید کر دیں تو اس کے لئے کتنی ننگ (۴) کی بات ہے

تشبہ کی حقیقت

یاد رکھو کہ جہنم خاص کافروں کے لئے ہے مگر مسلمان اپنے ہاتھوں وہ اخلاق اختیار کر کے جو کافروں میں پائے جاتے ہیں "من تشبہ بقومٍ فھو منھم" (۵) کے مصداق بنتے ہیں اور ان کے ساتھ قید ہونے کے کام کرتے ہیں اس حدیث من تشبہ کو اول تو لوگوں نے اُڑا ہی (۶) دیا اور اگر لیا بھی ہے تو صرف لباس میں ۔ بہت سے ثقات (۷) بھی اس میں مبتلا ہیں کہ وضع اہل شرع (۸) کی بنا کر اپنے کو متقیوں میں

---

(۱) جمعدار کو بھنگی کہہ کر جوتے مارے جائیں (۲) کافر کو اگر اللہ کی ملاقات کا منکر دنیوی زندگی پر راضی اور اللہ کی آیات سے بے پرواہ کہہ دیا جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں (۳) مسلمان کو ان صفات سے موصوف کیا جائے (۴) عار و شرم کی بات ہے (۵) جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا انہی میں شمار ہوگا (۶) حذف کر دیا ہے (۷) قابل احترام لوگ (۸) دیندار وں کی سی شکل بنا کر۔

شمار کرنے لگے گو افعال کیسے ہی ہوں لیکن اس حالت میں اس خیال کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے میرے وطن میں ایک بہروپیا میرے پاس انعام لینے کی غرض سے کسی بڈھے کی شکل بن کر آیا ایک شخص نے مجلس میں کہا کہ خدا کے یہاں ان بہروپیوں کی کیا حالت ہوگی کہ کبھی عورت بنتے ہیں اور کبھی اور کوئی مکر(۱) کی شکل بناتے ہیں وہ کہتا ہے کہ ہم وہاں اس طرح تھوڑا ہی جائیں گے مولویوں کا لباس پہنکر جائیں گے بس فوراً مغفرت ہو جائے گی میں نے ڈانٹا کہ کیا واہیات(۲) ہے کیا خدا تعالیٰ کو کوئی دھوکا دے سکتا ہے؟ یہی حالت ہماری ہے کہ شکل تو بنا لیتے ہیں علماء کی فضلاء صلحاء کی لیکن باطن میں سینکڑوں خباثتیں بھری ہیں۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل	واندروں قہر خدائی عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید	وز درونت ننگ میدارد یزید

(باہر سے کافر کی قبر کی طرح خوشنما ومزین ہے اور باطن ایسا کہ قہر خداوندی نازل ہو رہا ہے ظاہراً تو بایزید بسطامی پر طعنہ مارتا ہے یعنی اپنا ظاہر کچھ ایسا بنا رکھا ہے کہ بایزید کو لوگ کچھ نہ سمجھیں اور اپنے باطن میں یزید کے لئے بھی باعث شرم ہے)

کہ صورت تو کافر کی قبر کی سی نہایت مزین اسی کو کہتے ہیں از بروں طعنہ زنی بر بایزید کہ بیرونی وضع تو ایسی کہ بایزید بھی شرما جائیں اور قلب کی یہ حالت کہ یزید کو بھی اس سے عار آئے(۳) ہم میں صورت کے دیندار تو بہت ہیں مگر سیرت کے دیندار کم ہیں غرض یہ حدیث صورت اور لباس ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر حالت کو عام

(۱) چالاکی کی شکل (۲) بے ہودہ بات ہے (۳) شرمندگی ہو

ہے اور لوگ اس حدیث میں خواہ مخواہ کلام کرتے ہیں یہ تو عقلی بات ہے اور ہر کس وناکس(۱) اس کو سمجھتا ہے دیکھو اگر کوئی شخص لغو بیہودہ باتیں کرنے لگے تو اس کو کہتے ہیں کہ چمار ہوگیا۔ یا اگر ایک شخص ہر وقت ہیجڑوں میں رہنے لگے تو انہیں میں شمار ہونے لگے گا جب یہ بات ہے تو اگر ہم اخلاق کافروں کے اختیار کریں گے تو ہم بھی ان ہی جیسے ہو جائیں گے۔ پس ان کے ساتھ دوزخ میں بھی جائیں گے (اللھم انی اسئلک الجنة واعوذ بك من النار ۔اے اللہ ہم آپ سے جنت کا سوال کرتے ہیں اور جہنم سے پناہ چاہتے ہیں ۔جامع) ورنہ دوزخ سے مومن کو کیا علاقہ جیسے جنت خاص متقیوں کے لئے ہے ایسے ہی دوزخ خاص کفار کے لئے ہے۔

دوزخ میں مسلمانوں اور کافروں کے عذاب میں فرق

بیچ کے لوگ تو چونکہ نہ کافر ہیں اور نہ متقی اس لئے ہمیشہ کو دوزخ میں بھی نہ جائیں گے اور ابتداً جنت میں بھی نہ جائیں گے مگر چونکہ ایمان کی وجہ سے متقیوں کے مشابہ ہیں اس لئے بعد چندے(۲) جنت میں چلے جائیں گے۔ تو جنت میں جانے کے قابل وہ ہے کہ یا تو خود متقی ہو یا مشابہ ہو متقی کے ورنہ نہیں ہاں ایسے لوگ جب پاک صاف ہو جائیں گے اس وقت جنت میں جانے کے قابل ہو جائیں گے جیسے چراغ کہ اس پر اگر بہت سی کیٹ (چیکٹ) جمع ہو جائے تو اس کو آگ میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے اور اس وقت وہ نفیس جگہ کے استعمال کے قابل ہوتا ہے اسی طرح اس لوگوں کو دوزخ کے چولہے میں ڈال کر صاف کیا جائے گا۔ یا دوسری مثال میں

(۱) ہر شخص (۲) کچھ عرصہ بعد (۳) گندگی میں بھرا ہوا (۴) غسل خانے میں لے جاؤ۔

یوں سمجھو کہ بچہ اگر نجاست میں لتھڑا(۳) ہوا آئے تو کہا جائے گا کہ اس کو حمام(۴) میں لیجاؤ اور خوب رگڑو اور اس پر سے نجاست کو کُھر چو۔ تو دوزخ بھی حمام ہے لیکن اس کی برداشت ہرگز نہ ہو سکے گی غرض مسلمانوں کا دوزخ میں جانا بوجہ مشابہت کفار کے ہے فرق اتنا ہے کہ کفار کو تعذیب(۱) کے لئے بھیجا جائے گا مسلمانوں کو تہذیب(۲) کے واسطے مگر تکلیف تو ضرور ہی ہوگی۔ دیکھو جب حمام میں جھانوے سے رگڑا جاتا ہے تو کیسی تکلیف ہوتی ہے تو تہذیب کہہ دینے سے ان کا کیا نفع ہوا؟ تکلیف تو ہوئی جہنم میں تو گئے۔ دیکھو اگر ایک شخص کے بدن میں چھریاں گھونپی جائیں اور دوسرے کے جسم میں سوئیاں کوچی(۳) جائیں تو کیا اس دوسرے کو اطمینان ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اور ہم لوگ اس سزا کو تو کیا برداشت کر سکتے ہم سے نشتر کی تکلیف تو برداشت کی نہیں جاتی۔ تو ان باتوں سے ہرگز تسلی نہیں ہونی چاہئے۔

صرف محبت نجات کے لئے کافی نہیں

ابو طالب کیلئے آیا ہے کہ چونکہ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت کی تھی خدا تعالیٰ کی حکمت کے قربان ہو جایئے دیکھئے اتنے بڑے محسن اور ان کو کلمہ نصیب نہیں ہوا موت کے وقت کلمہ پڑھنے پر راضی ہو گئے لیکن خدا ناس کرے ابو جہل کا کہ اس نے اس وقت بھی بہکایا آخر اسی حالت پر خاتمہ ہو گیا۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا اور اسی لئے اس کو بیان بھی کیا ورنہ جی نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ ایک مسئلہ کا استنباط(۴) مقصود تھا

---

(۱) عذاب دینے کے لئے (۲) سنوارنے کے لئے (۳) ایک کے جسم میں چھریاں ماری جائیں دوسرے کے جسم میں سوئیاں چبھائی جائیں (۴) اس واقعہ سے ایک مسئلہ نکالنا مقصود تھا۔

اس لئے بیان کیا سو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ آجکل لوگ مجلس کر لینے کو یا میلاد کر لینے کو نجات کا باعث سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو بہت محبت ہے اور بس اسی کو نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں نہ نماز کی ضرورت سمجھتے ہیں نہ روزے کی نہ حج کی نہ استغفار کی اور اس میں زیادہ تر خطاء پڑھے لکھے لوگوں کی ہے انہوں نے اپنی طمع اور لالچ کے لئے ایسا کیا کہ عوام الناس کو راضی کرنے کے لئے ان کو ایسے مضامین سنائے ان کے کہنے پر ایسی مجلسیں کیں، وعظ میں یہ مضامین بیان کئے جاتے ہیں کہ صاحبو! ڈاڑھی منڈواؤ! ناچ کرو! سب معاف ہو جائے گا۔ مگر حضور ﷺ سے محبت رکھو اور ان منکر وہابیوں کے پاس نہ بیٹھو۔ اور وہابی نام رکھا ہے اہل سنت کا گو(۱) وہ مقلد اور حنفی ہوں۔ غیر مجالس وعظ میں یہ کہا جاتا ہے کہ جو چاہو کرو مگر صرف محبت رکھو اور اس کا اثر لوگوں پر یہ ہوا کہ انہوں نے تمام اعمال کو غیر ضروری سمجھ لیا تو ایسے لوگوں کو اس حدیث سے سمجھ لینا چاہئے کہ ابو طالب کی برابر کوئی بھی ان مدعیان محبت میں سے محبت رکھنے والا نہیں۔ ابو طالب وہ تھے کہ سب نے حضور ﷺ کو چھوڑ دیا لیکن ابو طالب نے ساتھ دیا اور بہت تکالیف اُٹھائیں۔ آج تو وہ حالت ہے کہ مخالفت شریعت نبویہ ﷺ میں اگر ایک پیسے کا نفع ہو تو مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ایک مجلس میں یزید کے تذکرے پر ایک شخص کہہ رہا تھا کہ افسوس میں نہ ہوا ورنہ یوں کرتا اور یوں کرتا یہ سن کر ایک دیہاتی شخص کو جوش آ گیا کہنے لگا کہ میں کہتا ہوں کہ میں یزید ہوں اور میں نے ایسا ایسا کیا ہے اگر کچھ ہمت ہے تو آ جاؤ یہ سن کر ان بہادر صاحب کے حواس باختہ(۲) ہو گئے۔ یہ

(۱) اگرچہ (۲) ہوش اُڑ گئے۔

ہی حالت آج کل کے محبان رسول ﷺ کی ہے تو دیکھئے ابو طالب جن کو اس قدر محبت حضور ﷺ سے تھی ان کو بھی نرے دعوی محبت نے بلکہ محبت نے بھی دوزخ سے نہ بچالیا کیوں کہ اطاعت نہ تھی اور آج تو کس کا منہ ہے کہ اتنی محبت کا بھی دعوی کرے اور اگر کرے بھی تو خوب یاد رکھو کہ

وجائزة دعوى المحبة فی الھوىٰ ولکن لا یخفی کلام المنافق

(عشق ومحبت کا دعویٰ تو ہر شخص کرسکتا ہے مگر یاد رکھئے کھوٹے شخص کا باطن ظاہر ہو جاتا ہے)

مروجہ طریقہ میلاد کی برائی اور صحیح طریقہ ذکر رسول

میں کہتا ہوں کہ محبت سے حضور ﷺ کا ذکر کرو مگر جس طرح ذکر کا طریق ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی حضور ﷺ کا ذکر کیا ہے لیکن وہاں کوئی تاریخ مقرر ہوتی تھی؟ ہرگز نہیں ان کی تو ہر وقت یہ حالت تھی

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

(ہم نے جو کچھ پڑھا سب بُھلا دیا مگر محبوب کی باتیں نہیں بُھلائیں بلکہ اُنہیں بار بار دہراتے ہیں)

وہ تو ہر وقت زبان پر رسول مقبول ﷺ ہی کا ذکر رکھتے تھے بقول مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ہم تو ہر وقت مولد کرتے ہیں ”لا الٰــــہ الا اللہ محمد رسول اللہ “ کہتے ہیں جب بھی آپؐ ہی کا ذکر ہوتا ہے آپؐ ہمارے تو ہر

وقت دل میں بسے ہیں زبان سے ہاتھ سے ہر وقت حضور ﷺ کی یادیں ہیں۔ سبحان اللہ کیا محققانہ بات کہی ہے۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم تو ہر وقت ذکر کیا کرتے تھے اور فرا(۱) ذکر نہیں بلکہ ویسا بننے کی کوشش کرتے تھے۔

یہ پکھنڈ (۲) جو اب ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کہیں نام کو نہ تھے کسی صحابی نے کبھی مٹھائی تقسیم نہیں کی کبھی ذکر کی تاریخ مقرر نہیں کی اور اگر کوئی کہے کہ ہم تو خوشی میں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ روز کیوں تقسیم نہیں کرتے اس کی کیا وجہ کہ ایک مجمع خاص میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اسی طرح کھڑا ہونا اس کی بابت بھی یہ ہی ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ خاص مجمع میں خاص وقت میں قیام (۳) ہو اس وقت حضور ﷺ کا تذکرہ ہو رہا ہے اس کی کیا وجہ کہ اس وقت کوئی نہیں اُٹھتا۔

یہ یاد رکھو کہ یہ سب کمانے والوں کی منگھڑت (۴) ہے کہ ہر ہر جز کو خاص طور سے ایجاد کیا کہ لوگ ہر کام میں ان کے محتاج رہیں اور جب ان سے وہ کام لیں تو کچھ دیں بھی اور جب واعظ کے لئے کچھ ہوا تو آنے والوں کے لئے بھی کچھ چاہئے اس لئے مٹھائی ایجاد کی گئی۔ لوگ عرب کے فعل سے استدلال کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کو خبر نہیں ہے کہ عرب میں کس طرح کا مولود ہوتا ہے گو اس میں بھی نشیب وفراز ہے مگر پھر بھی یہاں کی نسبت بہت سادگی ہے مٹھائی تقسیم کرتے ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ اگر نصف مجلس کو تقسیم ہونے کے بعد مٹھائی ختم ہو جائے تو بلا تامل کہدیں گے

---

(۱) صرف ذکر ہی نہیں (۲) یہ بے ہودہ طریقے جو اب رائج ہیں صحابہ کے زمانے میں نہیں تھے (۳) یعنی جب میلاد پڑھا جائے صرف اسی وقت کھڑا ہوا جائے (۴) کمانے والوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔

کہ خلاص یعنی اب ختم ہوگئی۔ بھلا یہاں کوئی صاحب مجلس ایسا کر کے دکھلا دیں۔ واللہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے سب تفاخر کے لئے ہوتا ہے۔

صاحبو! محبت کے طریقے ہی دوسرے ہوتے ہیں شاہ عبد الرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ربیع الاول میں کچھ کھانا پکا کر تقسیم کیا کرتے تھے ایک مرتبہ آپ کو کچھ میسر نہ ہوا تو آپ نے پیسے دو پیسے کے چنے بھنوا کر تقسیم کر دیئے۔ خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ ان چنوں کو تناول فرما رہے ہیں۔ دیکھئے محبت اللہ والوں ہی میں ہوتی ہے ان سے سیکھو اور ان کے طرز عمل پر چلو۔ میں اس کا بہت آسان طریقہ بتلاتا ہوں مگر وہ طریقہ نفس کو گوارا نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ خفیہ خرچ کیا کرو مثلاً ربیع الاول کے مہینے میں پچاس روپیہ خرچ کرو مگر ظاہر نہ کرو اور ایک ایک روپیہ ایک ایک مسکین کو دیدو۔ اگر واقعی حضور ﷺ سے محبت ہے تو اس طریقہ پر عمل کرو مگر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ نفس کہے گا کہ میاں پچاس روپے بھی خرچ ہوئے اور کسی کو خبر تک بھی نہ ہوئی۔ آج کل تو یہ حالت ہے کہ میں کانپور میں تھا ایک شخص ذکرِ رسول ﷺ کے لئے مجھے بلا کر لے گئے میں چلا گیا اگلے دن معلوم ہوا کہ اسی جگہ جہاں ذکرِ رسول ﷺ ہوا تھا آج رنڈی کا ناچ ہوا ہے مجھے سنکر بیحد صدمہ ہوا تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کے یہاں شادی تھی اور اصل مقصود ناچ کرانا تھا لیکن بعض ثقہ احباب کی خاطر سے ذکرِ رسول ﷺ بھی کرا دیا تھا تو یہ ذکر حضور ﷺ کی محبت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ ثقہ دوستوں کے لئے ہوا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ناچ کا موازنہ(۱) ہوا اور ناچ اسی

(۱) تقابل

جگہ ہو نعوذ باللہ پھر لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ سے محبت ہے اور ہم محبِ رسول ﷺ ہیں اور میں کانپور میں سنا کرتا کہ آج فلاں رنڈی کے ہاں مولود ہے آج فلاں کے ہاں ذکرِ رسول ﷺ ہے۔ افسوس ہے کہ جب وہاں ضروری مضامین زنا (۱) کی مذمت وغیرہ کو کوئی بیان نہیں کرتا تھا تو نرے (۲) ذکرِ رسول ﷺ سے کیا فائدہ کی توقع ہے۔ دیکھو اگر دسترخوان پر نری چٹنی (۳) ہو تو کیا کوئی اس دسترخوان سے سیر (۴) ہو سکتا ہے کبھی نہیں البتہ اگر نرا کھانا (۵) ہو اور چٹنی نہ ہو تو وہ کارآمد ہو سکتا ہے اور اگر دونوں چیزیں ہوں تو نور علیٰ نور ہے۔ یہ اس پر یاد آ گیا تھا کہ لوگ دعوائے محبت کرتے ہیں تو دیکھ لیں کہ ابو طالب کی کیا حالت ہے کہ اگرچہ حضور ﷺ کی بدولت صرف دو جوتے آگ کے پیر میں ہوں گے مگر حالت یہ ہو گی کہ یوں سمجھیں گے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں۔ دنیا ہی میں دیکھ لو کہ اگر ببول (۶) کا کانٹا بھی لگ جاتا ہے تو کیا حالت ہوتی ہے تو اگر یہ کوئی کہے کہ مجھے ہلکا عذاب ہو گا تو خوب سمجھ لو کہ وہاں کا ہلکا بھی ناقابلِ برداشت ہے تو اس ناز میں ہرگز نہ رہنا چاہئے کہ مجھے تو تھوڑی سزا ہو گی۔ یہ شبہات تو رفع ہو گئے۔

قابلِ سزا جرائم

اب وہ باتیں بھی سن لیجئے جن پر اس آیت میں لتاڑا (۷) گیا ہے فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایسے ہیں کہ ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں رکھتے۔ سو اس سے تو ہم بری (۸) ہیں

---

(۱) برائی (۲) صرف (۳) صرف چٹنی (۴) پیٹ بھر سکتا ہے (۵) اگر صرف کھانا ہو (۶) کیکر (۷) ڈانٹ پلائی گئی ہے (۸) یہ بات تو ہم میں نہیں۔

لیکن اس سے بے فکری نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے نہ ہونے سے گو سزا کم ہو لیکن ہو گی تو ضرور ۔اور دوسری بات یہ فرمائی کہ وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ کہ جو حیٰوۃ الدنیا پر راضی ہیں اور اس پر مطمئن ہو گئے ہیں اور جو ہمارے احکام سے غافل ہیں یہ کل چار چیزیں ہیں (۱) ان پر فرماتے ہیں "اُولٰٓئِکَ مَاْوٰیھُمُ النَّار" ترجمے سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان چار پر سزا ہے تو ان چاروں کا مذموم (۲) ہونا ثابت ہوا اور یہ احتمال نہ کیا جائے کہ شاید مجموعہ پر یہ سزا ہو گی اور ہم مجموعہ سے بری ہیں کیونکہ "لایرجون لقآء نا" یہ جزو ہم میں نہیں پایا جاتا (۳) سو بات یہ ہے کہ یہاں اوّل تو اس احتمال کی کوئی دلیل نہیں اور عطف بالواو میں کبھی ہر واحد بھی مقصود بالافادہ (۴) ہوتا ہے اور شاید سے (۵) بے فکری ہو نہیں سکتی دوسرے اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی "لا یـــرجـون" پر اکتفا نہ کرنا اور دوسرے افعال کا بھی ذکر کرنا ظاہر ہے کہ عبث (۶) تو نہیں ہے اور اگر ان کو حکم جزی میں کچھ دخل نہ ہو تو محض عبث ہونا لازم آئیگا پس سب کو دخل ہوا پس سب کا مذموم اور موثر فی العقوبہ ہونا (۷) ثابت ہو گیا ۔ان چار چیزوں میں سے ایک تو یقیناً ہم میں نہیں ہے

---

(۱) وہ چار باتیں یہ ہیں اللہ سے نہ ملنے کا یقین، دنیاوی زندگی پر راضی رہنا، اور مطمئن ہو اور اللہ کے احکام سے غفلت (۲) برا ہونا (۳) یہ خیال نہ ہو کہ جس میں یہ سب باتیں ہوں گی اس کو سزا ہو گی اور ہم میں اس میں سے ایک نہیں ہے (۴) آیت میں چار باتوں اللہ سے ملنے کی امید نہ ہونا دنیاوی زندگی سے راضی اور اطمینان اور احکام الٰہی سے غفلت کو واؤ عاطفہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ مجموعہ مقصود ہے حضرت بتا رہے ہیں کہ مقصود کے ساتھ عطف میں کبھی ہر ایک مستقلاً مقصود ہوتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے (۵) اور یہ سوچ لینا کہ شاید مقصود صرف کفار کے عذاب کا ذکر ہو اس سے بے فکر نہیں ہو سکتی کیونکہ بقیہ باتوں کا ذکر بھی بیکار نہیں کیا گیا (۶) بیکار (۷) معلوم ہوا کہ چاروں افعال قابل سزا ہیں۔

برکت (۱) حاصل ہوگی۔اور یہ جو دائرے سے باہر قدم نکلا جارہا ہے یہ رُک جائیگا۔اور وہ حالت ہوجائیگی جو طاعون کے زمانے میں ہوتی ہے کہ سب کچھ کرتے ہیں لیکن کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہوتی۔تو وہ ترکیب یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے اس میں موت کو یاد کرو اور پھر قبر کو یاد کرو پھر حشر کو یاد کرو اور یوم حشر کے اہوال (۲) کو اور وہاں کے شدائد کو یاد کرو۔اور سوچو کہ ہم کو خدا تعالیٰ قادر کے روبرو (۳) کھڑا کیا جائے گا اور ہم سے باز پرس ہوگی۔ایک ایک حق اگلنا پڑے گا پھر سخت عذاب کا سامنا ہوگا اسی طرح روزانہ سونے کے وقت سوچ لیا کرو۔دو ہفتے میں انشاءاللہ تعالیٰ کایا پلٹ (۴) ہوجائے گی اور جو اطمینان وانس ودلچسپی دنیا کے ساتھ اب ہے باقی نہ رہے گا اور اس وقت اگرچہ احکام فرعیہ بیان نہیں ہوسکے مگر اصول بحمداللہ کافی بیان ہوگئے ہیں اب خدا تعالیٰ سے دعاء کیجئے کہ توفیق عمل (تمام ناظرین اور ناشر کو) دے :۔

آمین برحمتك یا ارحم الراحمین

ہونا چاہئے کہ جو مظفر نگر کی سرائے سے کہ اگرچہ وہاں سارے کام کرتے ہوتے ہیں مگر دل جلال آباد میں پڑا رہتا ہے۔اس کا مطلب بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مولوی دنیا چھڑاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ہاں مولوی یہ کہتے ہیں کہ دنیا سے سرائے کا تعلق رکھو ۔دیکھو کیا سرائے میں کھاتے نہیں ہو یا کوٹھری کرائے پر نہیں لیتے؟ سب کچھ کرتے ہو مگر وہاں جی نہیں لگتا۔اور دنیا میں جی لگا لیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہماری بعینہٖ وہ حالت ہے جیسے بچہ سرائے کے کسی آرام کو دیکھ کر ضد کرنے لگے کہ میں تو یہیں رہونگا۔باقی جن کو دنیا کی حقیقت سے واقفیت ہے ان کی یہ حالت ہے کہ کہتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم   راحت جاں طلبم وزپے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے   تا در میکدہ شاداں وغزل خواں بروم

(وہ دن کیا خوشی کا ہوگا کہ میں اس ویران منزل یعنی دنیائے فانی سے چلا جاؤں گا۔روح کے لئے راحت آرام طلب کرتا ہوں اور اپنے محبوب کے پاس جارہاہوں میں نے منت مانی ہے کہ اگر کسی روز یہ غم میرے اوپر آپڑا تو میکدہ کی طرف مستانہ وار گنگناتا ہوا جاؤں گا۔)

دیکھئے!منت مان رہے ہیں کہ اگر یہاں سے چھٹکارا ہو تو یوں کریں گے۔

آخرت کا شوق اور دنیا سے بے رغبتی کا طریقہ

بیان تو بہت طویل ہے مگر میں وقت نہ ہونے کے سبب ایک ترکیب بتلا کر مضمون کو مختصر کرتا ہوں اور وہ ایسی ترکیب ہے کہ جس سے تم کو انشاء اللہ تعالیٰ صحبت کی

اہتمام صحبتِ صالح

اور اس موقع پر یہ کہنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر میں جیسا پہلے تھا پھر کوئی سلسلہ علم دین کا ہو تو اچھا ہے کہ یہاں کے بچے کچھ نہ کچھ تو ضرور پڑھ لیں۔ دیکھو اگر دو گھنٹے کی صحبت کسی عالم کی ہو جائے تو خواہ یہ بچے دیندار نہ ہوں لیکن ان کو بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی مگر اس طرف لوگوں کو توجہ نہیں۔ اگر کہیے کہ یہاں کوئی مولوی نہیں ملتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر راج (۱) کو بُلاتے ہو پھر مولوی کو دوسرے مقامات سے کیوں نہیں بلاتے؟ یہاں اس کے منتظر کیوں رہتے ہو کہ مولوی خود آئیں۔ صاحبو! اگر دین کی کچھ عظمت قلب میں ہوتی تو خود مولویوں کو تلاش کرتے۔

خلاصہ یہ کہ رضا بالدنیا کی ان خرابیوں سے بہت کم لوگ خالی ہیں حتیٰ کہ مولوی اور درویش بھی۔ اور مولویوں اور درویشوں سے ایسا ہونا یہ زیادہ بُرا ہے کیونکہ یہ دھوکا دیکر کماتے ہیں مگر ہر جماعت میں کچھ لوگ مستثنٰی بھی ہیں دنیاداروں میں بھی اور دینداروں میں بھی یہ تو "رضوا بالحیوۃ الدنیا" تھا آگے فرماتے ہیں۔

دنیا سے دل نہ لگاؤ

"واطمأنوا بها" کہ دنیا میں جی بھی لگایا اور دنیا ان کے دل میں بھی گھس گئی اس کا ازالہ ذرا مشکل ہے دنیا سے تو دل گھبرانا چاہئے مگر ہر مسلمان بتلائے کہ روزانہ کتنی مرتبہ دنیا میں رہنے سے اس کا جی گھبرایا ہے اور کب وحشت ہوئی ہے؟ ہاں اگر وحشت ہوتی ہے تو آخرت میں جانے سے ہوتی ہے۔ حالانکہ دنیا سے وہ تعلق

---

(۱) مستری

اگر علم دین پڑھے گا تو وہ بوجہ اس کے کہ فطرۃً عالی حوصلہ ہے کیوں ایسی حرکات کرنے لگا؟ اور جو لوگ ایسی حرکات کرتے ہیں وہ اکثر کم خاندان کے لوگ ہوتے ہیں پس جب یہ ہے تو تعجب ہے کہ ایسے لوگوں کو دیکھ کر اپنے بچوں کو تعلیم دینی نہ دو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تعلیم حال(۱) نہ دو۔ ضرور دو! مگر یہ بھی تو دیکھو کہ علم دین ہر وقت کی ضرورت کی چیز ہے تو چاہیے تو یہ کہ اول علم دین پڑھاؤ اور اس کے بعد دوسرے علوم ورنہ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ تو اس کی تعلیم ضرور ہی ہونی چاہئے اگر زیادہ وقت نہ ہو تو اُردو کے رسائل پڑھاؤ لیکن سبقاً سبقاً پڑھاؤ، یہ نہیں کہ کتاب دیدی اور کہہ دیا کہ دیکھ لو۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ پورا نصاب ہو اور کسی دیندار آدمی کو رکھ کر سبقاً سبقاً پڑھاؤ اگر چوبیس گھنٹے میں سے ایک گھنٹہ ہی دو بلکہ میں کہتا ہوں کہ فضول وقت میں سے جو کھیل کود میں ختم ہو جاتا ہے اس میں سے اگر ایک گھنٹہ دو اور وقتاً فوقتاً امتحان لیا کرو، کامیابی پر بچے کو انعام دو اور ناکامی پر سزا دو اور عمل کرانے کی بھی کوشش کراؤ جیسے حساب میں مشق کراتے ہو۔ اور اگر وہ نہیں کرتا تو سزا دیتے ہو اسی طرح ہر مسئلے میں التزام(۲) کرو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچہ ساتھ کے ساتھ دیندار ہوتا چلا جائیگا۔ ہاں اس کے لئے ایک عالم کے بُلانے کی ضرورت ہوگی تو جب سینکڑوں روپیہ انگریزی میں صَرف ہو جاتا ہے اگر دس روپے اس میں صَرف ہو جائیں گے تو کیا ظلم ہوگا اور ان مولوی صاحب سے آپ اپنے لئے بھی یہ کام لے سکتے ہیں کہ ان سے خود بھی مسائل سیکھیں۔

(۱) موجودہ زمانے کی تعلیم (۲) اہتمام۔

مگر یہ پیر بھی ایسی ہوتے ہیں کہ موضع مساوی (۲) کے بعضے لوگ قاضی صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو گئے تھے پھر خاندانی پیر صاحب کو جب خبر ہوئی تو کہنے لگے کہ اچھی بات ہے دیکھو میں بھی تمہیں پلصراط سے دھکا دوں گا۔ تو ایسے پیر ہیں ہی اس قابل۔ علی ہذا (۱) بعضے علماء بھی ایسے ہونے لگے ہیں۔

ایک سب جج پرانی وضع پرانی روشنی کے ایک مقام پر بدل کر آئے انہوں نے چاہا کہ وہاں کے رؤساء سے مل آئیں ایک رئیس صاحب کے پاس پہنچے تو وہ دور ہی سے صورت دیکھ کر گھر میں چلے گئے۔ انہوں نے خادم کے ذریعے سے کہلا بھیجا کہ میں فلاں شخص ہوں آپ سے ملنے کو آیا ہوں۔ نام سنکر وہ رئیس صاحب باہر آئے اور معذرت کر کے کہنے لگے کہ آپ کا عبا دیکھ کر میں یہ سمجھا کہ کوئی مولوی صاحب ہیں چندہ لینے کی غرض سے آئے ہیں۔ یہ خیالات ہیں عوام کے علماء کے متعلق مگر اس میں زیادہ قصور ان عوام کا نہیں بلکہ ایسے مولویوں کا ہے کہ ان ہی نے اپنے افعال سے عوام کے خیالات کو خراب کیا اگر علماء اس سے پرہیز کرتے تو عوام کو کبھی ایسی جرات نہیں ہو سکتی یہ تو اہل علم کی غلطی تھی۔

علم دین سیکھنے کی آسان تدبیر

لیکن جن لوگوں نے ایسوں کو دیکھ کر علم دین سے کنارہ کیا ہے وہ بھی غلطی سے خالی نہیں کیونکہ علم دین کے ساتھ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اخلاق بھی سکھائیں جن سے یہ افعال ناملائم (۲) پیدا نہ ہوں۔ دوسرے ایک خاندانی رئیس زادہ

(۱) اسی طرح (۲) ناپسندیدہ۔

بلکہ اب تو وہ پالیسی ہوگئی ہے کہ اہل علم اور درویشوں میں بھی یہ مرض ہے الا ماشاء اللہ حالانکہ درویش کو زیادہ محتاط ہونا چاہیے۔

بعض علماء اور درویشوں کی کوتاہیاں

میں دیکھتا ہوں کہ کثرت سے ایسے مولوی اور درویش ہیں کہ اس رضاء بالدنیا سے ان کا مذہب یہ ہوگیا ہے کہ مردہ جنت میں جائے یا دوزخ میں ہمارے چار پیسے سیدھے ہو جائیں۔ اور یہ ہی وہ جماعت ہے جن کو دیکھ کر اہل دنیا علم دین سے نفور(۱) ہوگئے ہیں۔ صاحبو! علم دین کو ہم نے خود ذلیل کیا ورنہ وہ تو ایسی چیز ہے کہ اس کے سامنے سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ دربار دہلی میں جب بادشاہ کے سامنے علماء گئے ہیں تو ان کو دیکھ کر بادشاہ خود جھک گئے۔ افسوس ہے کہ دوسری قوم کے لوگ تو عزت کریں بادشاہ کی یہ حالت تھی کہ والیانِ ریاست کے سامنے اس نے سر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور علماء کو دیکھ کر جھک کر ان سب کی تعظیم کی۔ اب بتلایئے کہ ان کے پاس کیا چیز تھی؟ کونسا ملک تھا؟ صرف یہ بات تھی کہ یہ عالم ہیں دین کے پیشوا ہیں لیکن اگر ہم خود ہی بیقدری کرائیں تو اس میں کسی کا کیا قصور؟ یہی حالت ہوگئی ہے پیروں کی کہ طمع سے ان کی بھی سخت بیقدری ہوگئی ہے۔ مجھے ایک گنوار کا واقعہ یاد آیا ہے کہ فصل پر جب کمینوں کا اناج نکالنے بیٹھا تو گھر والوں نے سب کو شمار کیا دھوبی کو بھی خاکروب(۲) کو بھی اور یہ بیٹھا سنتا رہا جب سارے کمینوں کا نام سن چکا تو کہنے لگا کہ اس سسرے پیر کا بھی تو نکالدو۔

---

(۱) نفرت کرنے لگے (۲) جھاڑو دینے والے کو (۳) ایک جگہ کا نام ہے۔

اس دفعہ سے تو ہم یقیناً بری ہیں ۔اور ایک شبہ ہے یعنی اخیر کا جرم اس میں شک ہے کہ ہم میں ہے یا نہیں کیونکہ اس کی تفسیریں دو ہیں ۔ایک تو یہ کہ عقیدہ نہیں اس لئے غفلت ہے التفات نہیں ہوتا اس سے تو ہم بچے ہوئے ہیں ۔یا مطلق غفلت مراد ہو تو اس میں ہم مبتلا ہیں ۔رہے بیچ کے دو جرم ۔ان میں ہم یقیناً مبتلا ہیں اور وہ دونوں ایک ہیں مگر قدرے تفاوت ہے یعنی ایک تو مرتبہ عقل کا ہے اور ایک مرتبہ طبع کا کیونکہ رضا تو امر عقلی ہے اور اطمینان امر طبعی ہے تو بعض دفعہ تو ایک فعل کو عقلاً پسند کرتا ہے مگر دلچسپی نہیں ہوتی جیسے کڑوی دوا یا شہادت کے لئے سفر کہ عقلاً تو پسند ہے مگر اس کے ساتھ دلچسپی نہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دلچسپی تو ہوتی ہے مگر عقلاً ناپسند کرتا ہے جیسے زنا وغیرہ غرض کبھی رضا ہوتی ہے اور اطمینان نہیں ہوتا اور کبھی بالعکس (۱) لیکن وہ حالت نہایت سخت ہے کہ رضا اور اطمینان دونوں ہوں تو کفار کو تو علی العموم یہ بات ہے مگر اکثر مسلمانوں کو بھی ہے چنانچہ پسند کی تو کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر دنیا اور دین دونوں میں تزاحم (۲) ہو جیسے مقدمات میں یا رشوت لینے میں یا جیسے بعضوں کے پاس زمینیں دبی ہوئی ہیں ان سب کو جانتے ہیں کہ گناہ ہے مگر دل سے پسند ہے کہ جی برا نہیں ہوتا بلکہ اس کی اصلاح کی رائے دی جاتی ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ ریاست کے معاملے ہیں ۔ناصح (۳) کیا جانیں؟ غرض عقلاً پسند کرتے ہیں اور ترجیح دیتے ہیں اگرچہ عقیدہ ایسا نہیں ہے ۔علی ہذا تعلیم کے باب میں جانتے ہیں ابتداء سے تعلیم زمانہ حال میں مشغول کرنے سے اولاد دین سے بے خبر رہتی ہے مگر کہتے ہیں کہ ایسا نہ کریں تو ترقی کیونکر کریں یہ سب رضا بالدنیا (۴) ہے۔

---

(۱) اس کے خلاف (۲) ایک دوسرے سے ٹکراؤ ہو جائے (۳) یہ ریاستی معاملات ہیں نصیحت کرنے والوں کو کیا معلوم (۴) دنیا پر راضی رہنا ہے